# ہدایتِ الٰہی کی پیروی

ظفرالاسلام اصلاحی

بلاشبہہ اللہ کی تلقین کردہ ہدایت ہی اصل ہدایت ہے، یعنی یہی راہِ حق ہے، یہی راہِ مستقیم ہے جسے قرآن نے 'صراطِ مستقیم' سے تعبیر کیا ہے۔ یہ نکتہ بہت اہم و لائقِ توجہ ہے کہ قرآن میں تین مقام (البقرۃ: ۲ / ۱۲۰؛ آل عمران: ۳/ ۷۳؛ الانفال: ۸/ ۷) پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے یہ اعلان فرمایا ہے کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے: قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی ط (البقرہ ۲: ۱۲۰)، ''اے رسولؐ [صاف صاف] کہہ دیجیے کہ اصل ہدایت بس اللہ ہی کی ہدایت ہے''، یعنی سیدھا راستہ وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے، جسے اس نے اپنی کتاب کے ذریعے روشن کر دیا ہے۔ یہ آیت اس حقیقت کو مزید واضح کر رہی ہے: اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل ۱۷: ۹) ''بے شک یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھا ہے''۔ اللہ کے رسول محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیاتِ مبارکہ اِسی راہ کو دکھانے میں بسر ہوئی۔ دراصل انسان کے لیے حقیقی کامیابی واُخروی نجات کی راہ یہی ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ اللہ ربُّ العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کے نام بھیجے اوّلین پیغام ہی میں اس نکتہ کو واضح کر دیا تھا اور ان کے توسط سے پوری بنی نوع انسان کو اس سے باخبر کر دیا تھا۔ اس بنیادی پیغام کے پہلے حصّہ میں اس حقیقت کی جانب انسان کو متوجہ کیا گیا کہ زمین میں اس کی سکونت اور وہاں کے مال ومتاع سے انتفاع بس ایک مقررہ مدت تک کے لیے ہی ہے، یعنی دنیا کی زندگی عارضی و فانی ہے اور یہاں کا ساز وسامان بھی دائمی نہیں ہے، ایک نہ ایک دن ختم ہوجانے والا ہے، لہٰذا اے انسانو! بہت سنبھل کر زندگی بسر کرنا اور گزر بسر کے لیے جو چیزیں تمھیں

عطا کی جائیں ان کا مالک اپنے کو نہ سمجھنا اور نہ انھیں پا کر کسی فریب اور تکبر میں مبتلا ہونا۔ دنیا کی زندگی اور یہاں کے مال و اسباب، یہ سب عطائے الٰہی ہیں۔ لہٰذا، ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے منعمِ حقیقی کو یاد کرتے رہنا اور اسی کی مرضی کے مطابق انھیں استعمال کرنا۔ ارشادِ ربّانی ہے:

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٣٦﴾ (البقرۃ ۲:۳۶) اور تم سب کے لیے زمین میں جائے قیام اور ساز و سامان [سے انتفاع] ایک [محدود] مدت تک کے لیے ہے۔

سورۃ الاعراف کی آیت ۲۴ میں بھی یہی پیغام مذکور ہے اور اس کے بعد کی آیت ۲۵ میں انسان کو یہ حقیقت بھی یاد دلائی گئی ہے: قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۝ ''اللہ نے فرمایا: اسی زمین میں تم لوگ زندگی بسر کرو گے، اسی میں تمھیں موت آئے گی اور پھر اسی سے تم سب [زندہ کرکے] نکالے جاؤ گے''۔ اس آیت کے ذریعے انسان کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ دنیا کی مختصر زندگی کے خاتمے اور اس عارضی و فانی مستقر سے رخصتی کے بعد پھر تمھیں زندہ کرکے زمین سے نکالا جائے گا۔ اس کے بعد کیا واقعات (تمھیں کہاں جانا ہے، کس کے سامنے حاضر ہونا ہے، حساب و کتاب سے کس طرح گزرنا ہے، اعمال نامہ کیسے حوالہ کیا جائے گا اور پھر اسی کے مطابق جزا یا سزا کا فیصلہ سننا ہے، پھر ایک نئے مستقر یا ٹھکانے میں رہنا ہے، وہاں کتنے عرصہ رہنا ہے؟) رونما ہوں گے، ان سے متعلق ساری تفصیلات دوسرے مقامات پر بیان کی گئی ہیں۔ گویا صاف لفظوں میں انسان کو بتا دیا گیا کہ ارضی دنیا میں جو کچھ مختصر یا طویل زندگی میسر ہوگی، اسے یہیں گزارنی ہے، یہیں موت بھی آنی ہے۔ اسی پر بس نہیں، ایک دن اسے اسی زمین سے نکالا جائے گا، یعنی زندہ کرکے اٹھایا جائے گا اور مالک الملک کے حضور پیش کیا جائے گا، لہٰذا اس سب سے بڑی پیشی کے لیے اپنے آپ کو اچھی طرح تیار کرلو۔ یہاں سے رخصتی کے بعد تم چاہو گے بھی اور رو کر، گڑگڑا کر التجا کرو گے تو بھی مہلت نہیں دی جائے گی۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۳۶ میں یہ پیغام دیتے ہوئے اللہ رب العزت نے اس کے بعد کی آیت میں ایک اور انتہائی اہم پیغام حضرت آدم علیہ السلام کے توسط سے سارے انسانوں کو دیا ہے جسے اولین پیغام کی تکمیل کہا جاسکتا ہے۔ یہ پیغام یہ بتانے کے لیے دیا گیا ہے کہ انسان دنیا کی مختصر و عارضی زندگی کس طریقہ سے بسر کرے کہ اس کے لیے ہمیشہ ہمیش کی زندگی پُرسکون،

فرحت بخش اور ہر طرح کے رنج وغم سے پاک بن جائے۔ اس آیت میں تمام انسانوں کو اس حقیقت سے باخبر کیا گیا ہے کہ جو کوئی دنیوی زندگی کے شب وروز اللہ ربّ العزت کی ہدایت کے مطابق گزارے گا تو اسے سکون و آرام نصیب ہوگا اور دائمی زندگی میں اسے نہ کوئی غم لاحق ہوگا اور نہ کوئی خوف وخطر دامن گیر ہوگا، یعنی وہ بامراد ہوگا اور آخرت میں سرخ روئی و کامیابی سے شاد کام ہوگا۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝۳۸ (البقرۃ۲:۳۸) پس میری طرف سے جو ہدایت تمھیں پہنچے تو جو لوگ بھی میری ہدایت کی پیروی کریں گے، انھیں نہ کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ کوئی رنج۔

یہ امر بدیہی ہے کہ اس پیغامِ الٰہی (جسے ہبوط آدم وحوّا علیہما السلام کے وقت، یعنی زمین پر بھیجتے ہوئے ان کے گوش گزار کیا گیا تھا) کے مخاطب اولین انسان و اولین پیغمبر حضرت آدمؑ کے توسط سے پوری نسلِ انسانی یا رہتی دنیا تک کے تمام انسان ہیں۔ بلاشبہہ یہ پیغام اپنے مضمون اور مخاطب دونوں لحاظ سے انتہائی اہم اور معنویت سے بھرپور ہے۔ ان دونوں آیات کے پیغام کا ماحصل آسان اسلوب میں یہ ہے کہ دنیا کی زندگی اور اس کا ساز وسامان عارضی وفانی ہے، انسان کا اصل سرمایہ ہدایتِ الٰہی کی پیروی ہے۔ دوسری آیت اس لحاظ سے خاص اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں اللہ ربّ العزت نے انسان کو اپنی ہدایت کی پیروی کی جانب متوجہ کیا ہے اور اسی پر اسے فوز وفلاح اور سکون و اطمینان نصیب ہونے کی بشارت دی ہے۔ گویا کہ ارضی دنیا میں انھیں بھیجتے ہوئے ان سے دوٹوک انداز میں یہ خطابِ الٰہی ہوا: اے انسان! ربِّ کائنات کی مرضی کے مطابق تمھیں دنیا میں بھیجا جارہا ہے، لیکن یہ جان لو اور یقین کرلو کہ تم سب کی کامیابی اس اوّلین پیغام کو قبول کرنے اور دنیوی زندگی کے ہر معاملہ میں اس پر عمل کرنے میں ہے۔

**ہدایت الٰہی کے لیے رہنمائی**

رہا یہ مسئلہ کہ اللہ کی ہدایت اس کے بندوں تک کیسے پہنچے گی؟ اسے دوسری آیات میں واضح کردیا گیا۔ سورۃ الاعراف میں قصۂ حضرت آدم علیہ السلام کے بیان میں انسان کو اس سے آگاہ کردیا گیا ہے کہ انھیں ہدایتِ الٰہی اور اس کی تفصیلات اللہ تعالیٰ کے محبوب و برگزیدہ بندوں،

یعنی رسولوں کے ذریعے پہنچے گی، پس جو کوئی تقویٰ کی راہ اختیار کرے گا اور ہدایاتِ ربّانی کی روشنی میں اپنے حالات سدھارے گا، وہ ابدی زندگی میں سکون وطمانیت سے شادکام ہوگا۔ارشادِ ربّانی ہے:

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴿۳۵﴾ (الاعراف۷:۳۵) اے بنی آدم! یاد رکھو، اگر تمھارے پاس خود تم ہی میں سے (میرے) رسول آئیں جو تمھیں میری آیات سنا رہے ہوں تو جو کوئی نافرمانی اور گناہوں سے پرہیز کرے گا اور اپنی اصلاح کرے گا تو اسے نہ کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ وہ کسی رنج ہی سے دوچار ہوگا۔

یہاں یہ وضاحت اہمیت سے خالی نہ ہوگی کہ قرآن کی مختلف سورتوں میں حضرت آدم وحوّا علیہما السلام کے جنت سے زمین پر اتارے جانے کا واقعہ بیان ہوا ہے اور ہر مقام پر کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ یہ بنیادی پیغام ان کے توسط سے سارے انسانوں کے گوش گزار کیا گیا ہے، جیسا کہ صاحبِ تفہیم القرآن نے سورۃ الاعراف کی آیت ۳۵ کی تشریح کرتے ہوئے حاشیہ میں اس قیمتی نکتہ کی جانب توجہ دلائی ہے کہ ''بنی نوع انسان کی زندگی کا جب آغاز ہورہا تھا اسی وقت یہ بات صاف طور پر سمجھا دی گئی تھی'' (سیدابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۲۵، حاشیہ ۲۸)۔

سورۃ البقرۃ کی مذکورہ بالا آیت ۳۸ کی نسبت سے یہ وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ بعض مفسرین کی تشریح کے مطابق اللہ کی ہدایت کی پیروی یا اس کی بتائی ہوئی راہ اختیار کرنے پر دنیا وآخرت دونوں جہاں میں سکون واطمینان میسر ہوگا، یعنی اس آیت میں خوف وغم سے نجات کا تعلق دنیوی و اُخروی دونوں زندگی سے ہے (صلاح الدین یوسف، تفسیر احسن البیان، دارالسلام، ریاض، ص ۹، حاشیہ ۲)۔

مفسرِ قرآن مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے سورۃ النحل کی آیت ۹۷: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴿۹۷﴾ [اہلِ ایمان میں جو کوئی نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، ہم اسے پاکیزہ وخوش گوار زندگی عطا کریں گے اور ہم انھیں ان کے نیک اعمال کا بہتر بدلہ ضرور عطا کریں گے] کی تفسیر میں یہ واضح کیا ہے کہ اس بشارت کا تعلق دنیوی واخروی دونوں زندگی سے ہے اور بیان القرآن کے مؤلف گرامی

مولانا اشرف علی تھانویؒ کا یہ بیان ان الفاظ میں نقل کیا ہے: ’’مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس بشارت سے یہ مراد نہیں کہ مومن صالح کو کبھی فقر و فاقہ یا مرض طاری نہ ہوگا، بلکہ مطلب یہ کہ اطاعت کی برکت سے اس کے قلب میں ایسا نور پیدا ہوگا جس سے وہ ہر حال میں شاکر و صابر اور تسلیم و رضا سے رہے گا اور سکون و جمعیتِ خاطر کی اصل یہی رضا ہے‘‘ (تفسیر ماجدی، ج ۲، ص۲۲۹-۲۳۰، حاشیہ ۱۵۶)

مزید یہ کہ جدید دور کے بعض مفسرین نے اس آیت کے پہلے حصّے سے دنیوی زندگی کی خوش گواری ہی مراد لی ہے، اس لیے کہ اس کے آخری حصّے میں خاص طور سے اُخروی زندگی سے متعلق خوش خبری سنائی گئی ہے۔ مذکورہ آیت کی تشریح میں احسن البیان کے مؤلف گرامی تحریر فرماتے ہیں: ’’حیاتِ طیبہ (بہتر زندگی) سے مراد دنیا کی زندگی ہے، اس لیے کہ آخرت کی زندگی کا ذکر اگلے جملے [وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ] میں ہے‘‘ (تفسیر احسن البیان، محولہ بالا، ص ۳۶۳، حاشیہ ۱)۔

اس آیت کے حوالے سے مولانا سید عبدالکبیر عمریؒ نے بجا فرمایا ہے: ’’جو لوگ ایمان اور عملِ صالح کی دولت سے فیض یاب ہوتے ہیں ان کی زندگی بڑی ہی پُرسکون اور خوش گوار ہوتی ہے۔ دنیا کے مصائب و مشکلات میں بھی انھیں ایک طرح کا قلبی اطمینان نصیب ہوتا ہے‘‘ (نورِ ہدایت، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، عمر آباد، ۱۹۱۴ء، ص ۲۷)۔

اسی ضمن میں یہ بات بھی لائقِ توجہ ہے کہ اولین پیغام کے دوسرے حصّے (ہدایتِ الٰہی کی اتباع میں انسان کے لیے فوز و فلاح ہے) کے ساتھ ہی اللہ رب العزت نے ان لوگوں کو متنبہ کر دیا ہے جن کی زندگی ہدایتِ الٰہی کے خلاف گزرتی ہے یا گزرے گی کہ انھیں اخروی زندگی میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا اور وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم کے عذاب میں گرفتار رہیں گے، جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ملے گا، یعنی ہدایتِ الٰہی کے خلاف زندگی گزارنے والوں کو ان کے بدترین انجام کی خبر بھی سنا دی گئی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۳۹

(البقرہ ۲:۳۹) اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ جہنم والے

ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

اسی سے متعلق سورۃ الاعراف کی آیت ۳۶ ملاحظہ ہو: وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ ''اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں گے اور ان (رسولوں) کے تئیں تکبر و سرکشی کا رویہ اختیار کریں گے، وہ دوزخ والے ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے''، یعنی ہدایتِ الٰہی قبول کرنے اور راہِ راست اختیار کرنے والوں کے برخلاف جو لوگ ہدایتِ الٰہی کا انکار کرنے والے، اس سے منہ موڑنے والے اور راہِ ہدایت کی طرف دعوت دینے والوں سے مخالفت و عداوت کا معاملہ کرنے والے ہیں ان کا بدترین انجام یہ ہوگا کہ وہ ابدی زندگی میں جہنم کی آگ میں جھلسائے جائیں گے، اس سے نجات کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ قرآن میں دوسرے مقام پر شیطان کے پیروکاروں کو صاف طور پر خبردار کیا گیا ہے کہ جو کوئی ابلیس یا شیطان کی پیروی میں پوری زندگی گزار دے گا اور کفر و انکار اور سرکشی، یعنی اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی و نافرمانی کی راہ پر چلتا رہے گا جہنم کو اس سے بھر دیا جائے گا۔ اللہ ربُّ العزت کا فرمان ہے:

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ (الاعراف۷:۱۸) ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے تم سب سے [ان کے سمیت] جہنم کو بھر دوں گا۔

مزید برآں شیطان اور اس کے متبعین کو مخاطب کرتے ہوئے دوٹوک انداز میں فرمایا:

قَالَ فَالْحَقُّ ۡ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾ (صٓ ۳۸: ۸۴-۸۵) اللہ نے فرمایا: حق یہ ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں کہ جہنم کو تجھ سے اور ان تمام لوگوں سے بھر دوں گا جو ان [میرے بندوں] میں سے تمھاری پیروی کریں گے۔

### راہِ حق اور صراطِ مستقیم

رہا یہ مسئلہ کہ مختلف آیات میں مذکور اللہ کی ہدایت سے کیا مراد ہے جس کی پیروی میں حقیقی کامیابی کی ضمانت ہے اور جس کی خلاف ورزی دنیا و آخرت میں امن و سکون غارت کرنا، سب سے بڑی ناکامی کا منہ دیکھنا اور عذابِ الیم کو دعوت دینا ہے؟ اس سوال پر غور و فکر سے پہلے یہ پیشِ نظر

رہے کہ اللہ ربُّ العالمین ہے، سارے جہاں کا پروردگار اور تمام انسانوں کا پالنہار ہے، وہ اپنے بندوں پر بے حد رحم و کرم فرمانے والا ہے۔ اللہ کی ربوبیت یا پروردگاری انسان کی مادی و روحانی تمام ضروریات کو محیط ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی ہدایت سے باخبر نہ کرتا، یعنی انھیں وہ راستہ نہ دکھاتا جس پر چل کر وہ اس کی خوشنودی اور دنیوی و اُخروی زندگی میں حقیقی کامیابی سے مشرف ہوسکتے۔ متعدد آیات میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ربِّ رحیم و کریم نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ہی اسے گزر بسر کے لیے دنیوی ساز و سامان عطا کیا اور اسے اپنی ہدایت سے باخبر کرنے کا بھی اہتمام فرمایا، تاکہ وہ اسی کے مطابق شب و روز بسر کرے اور اپنے خالق و مالک کی رضا حاصل کرے (طٰہٰ ۲۰:۵۰؛ الشعراء ۲۶:۷۸؛ عبس ۸۰:۲۰؛ الاعلیٰ :۸۷/ ۲-۳، البلد ۹۰:۱۰)۔

قرآن نے تو ایک مقام پر بہت ہی واضح انداز میں اس حقیقت سے انسان کو آگاہ کر دیا ہے کہ اللہ نے انسان کو راہِ حق دکھا دی ہے، اب یہ اس کی پسند ہے کہ وہ اسے اختیار کر کے اپنے رب کا شاکر بندہ بنتا ہے، اسے راضی کرتا ہے اور دونوں جہاں میں فوز و فلاح پاتا ہے یا اس کے برخلاف راہِ باطل پر چل کر ناشکرا بندہ بن جاتا ہے، اپنے رب کو ناراض کرتا ہے اور خود اپنی تباہی و بربادی کا ساز و سامان جمع کرتا ہے۔ آیتِ ذیل میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝۳ (الدھر ۷۶:۳) بے شک ہم نے اسے [سیدھی] راہ دکھا دی ہے، اب یا وہ شاکر بن جائے، یا ناشکرا بن جائے۔

اللہ رب العزت نے اسی راہِ ہدایت دکھانے کے لیے انبیا علیہم السلام کی بعثت اور اپنی کتابوں کے نزول کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ سلسلہ، جیسا کہ بخوبی معروف ہے، اوّلین نبی حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام ہوا اور آپؐ ہی کے توسط سے اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایات کا آخری مکمل مجموعہ قرآن کی صورت میں سارے انسانوں کو عطا فرمایا، تاکہ وہ اس کی روشنی میں راہِ ہدایت دیکھ لیں اور پالیں۔ بلاشبہہ اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔ سچ پوچھیے تو پورا قرآن شریف شروع سے آخر تک 'ھدی اللہ' کی تشریح و توضیح ہے اور بعض آیات میں مختصر و جامع انداز میں اس کی تعبیر یہ ملتی ہے کہ اللہ کو ربّ العالمین مان لینا اور صبح سے شام تک اس کی بندگی بجالانے میں مصروف رہنا، یعنی زندگی کے ہر معاملے میں حکمِ الٰہی پر عمل کرنا ہی

راہِ ہدایت ہے، یہی ''صراطِ مستقیم'' ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ (اٰل عمرٰن ۳:۵۱) بے شک اللہ ہی میرا رب اور تم سب کا رب ہے، پس اسی کی عبادت کرو، یہی صراط مستقیم ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ہدایتِ الٰہی نصیب ہونا صراط مستقیم پا لینے سے عبارت ہے، یعنی جس نے راہِ مستقیم اختیار کر لیا وہ گویا اللہ کی ہدایت سے مشرف ہو گیا۔ راہِ مستقیم کیسے نصیب ہوتی ہے یا اس پر چلنے کے لیے راہیں کیسے ہموار ہوتی ہیں؟ اس سوال کا جواب اس آیت میں ملاحظہ فرمائیں:

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ھُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ (اٰل عمرٰن ۳:۱۰۱) اور جو اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لے اسے راہِ مستقیم دکھا دی گئی۔

اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے سے مراد، جیسا کہ مفسرین نے واضح فرمایا ہے، ایمان پر مضبوطی سے قائم رہنا، اللہ سے تعلق مضبوط کرنا اور ہر معاملے میں اس کے احکام پر کاربند رہنا ہے۔ درحقیقت اسی طور پر شب و روز گزارنے والے راہِ راست پر ہوتے ہیں اور انھی لوگوں کے لیے صلاح و فلاح کی بشارت ہے (مفتی محمد شفیعؒ، معارف القرآن، ج ۲، ص ۱۲۵)۔

اسی کے ساتھ یہ نکتہ بھی لائقِ توجہ ہے کہ اللہ سے تعلق کی مضبوطی کے لیے قرآن کریم سے گہری وابستگی اور اس کی ہدایات پر مضبوطی سے جمے رہنا ضروری ہے۔ یہ نکتہ بھی اسی عظیم ترین کتابِ ہدایت سے منکشف ہوتا ہے۔ اپنے رسول محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ (الزخرف ۴۳:۴۳) پس اس چیز [کتاب] کو مضبوطی سے تھامے رہو جو تمھاری طرف وحی کی گئی، یقیناً تم سیدھے راستہ پر ہو۔

بلاشبہہ یہ آیت اس نکتہ کی وضاحت کے لیے کافی ہے کہ تمسک بالکتاب اور ہدایتِ الٰہی نصیب ہونا لازم و ملزوم ہے۔ دوسرے، یہ امر بدیہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے تمام اہلِ ایمان کو اس نکتہ سے باخبر کرنا مقصود ہے۔

**اہلِ حق کی خصوصیات**

اللہ کی ہدایت سے مشرف ہو جانے والوں کی کیا خصوصیات ہیں یا ہدایت یافتہ ہونے کی کیا علامات ہیں؟، اس باب میں سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات سے کلیدی رہنمائی ملتی ہے۔ ان میں قرآنی ہدایت سے فیض یاب ہونے والوں، یعنی اہلِ تقویٰ (خوفِ الٰہی اور آخرت میں باز پُرس کے احساس سے اپنے کو گناہوں سے بچانے والوں اور اطاعتِ الٰہی کو اپنا شعار بنانے والوں) کے بنیادی اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰۗىِٕكَ عَلٰي هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۤ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ (البقرہ۲:۳-۵) جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز کا اہتمام کرتے ہیں، ہمارے عطا کردہ مال میں سے انفاق کرتے ہیں، اور جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو تم پر نازل کی گئی اور ان کتابوں پر بھی جو تم سے پہلے نازل کی گئیں، اور جو آخرت میں یقین رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی [اصلاً] فلاح پانے والے ہیں۔

تقریباً یہی مضمون سورۂ لقمان کی ابتدائی آیات (۲ تا ۵) میں بھی مذکور ہے۔ یہاں یہ وضاحت اہمیت سے خالی نہ ہوگی کہ سورۃ البقرہ کی مذکورہ بالا آیات میں اہلِ تقویٰ کے اوصاف (ایمان میں پختگی کے ساتھ ان اعمال کی انجام دہی جو اللہ رب العزت کے حقوق اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی سے تعلق رکھتے ہیں) بیان کرنے کے بعد یہ ارشادِ الٰہی ہے:

اُولٰۗىِٕكَ عَلٰي هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۤ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ (البقرہ ۲:۵) ایسے ہی لوگ اپنے رب کی طرف سے راہِ ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

آیت کا یہ آخری حصّہ اس لحاظ سے خصوصی توجہ کا طالب ہے کہ ان میں مذکورہ بالا صفات سے متصف لوگوں کو اس سند سے نوازا گیا ہے کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں، یعنی اللہ کی دکھائی ہوئی راہ پر چلنے والے ہیں، اور اسی کے ساتھ انھیں یہ بشارت بھی سنائی گئی ہے کہ وہی صحیح معنوں میں فلاح یاب یا بامراد ہوں گے، یعنی وہ جہنم سے محفوظ رہیں گے اور انھیں جنت میں داخلہ نصیب ہوگا۔ ایک دوسری

آیت میں اُن اہلِ ایمان کے بارے میں، جو اپنے ایمان ویقین میں خالص ہیں اور اپنے ایمان کو سب سے بڑے گناہ (شرک) یا باطل عقائد سے گڈمڈ نہیں کرتے، یہ واضح کیا گیا ہے کہ وہی اصلاً ہدایت یاب ہیں اور انھیں امن وسکون کی نعمت نصیب ہوگی۔ ارشادِ ربّانی ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۝۸۲ (الانعام ۶:۸۲) جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم [یعنی سب سے بڑے گناہ شرک] سے مخلوط نہیں کیا ان کے لیے امن ہے اور وہی [صحیح معنوں میں] راہِ ہدایت پر ہیں۔

مزید یہ کہ ایک دوسرے مقام پر ان اہلِ ایمان کو، جو مصیبت و پریشانی کی حالت میں صبر سے کام لیتے ہیں، دینِ حق پر جمے رہتے ہیں، اپنی زندگی اور ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ ایک دن انھیں اپنے رب کے پاس واپس لوٹ جانا ہے، یہ خوش خبری سنائی گئی ہے کہ انھیں ربِّ کریم کی عنایات نصیب ہوں گی اور وہ رحمتِ الٰہی کے سایے میں ہوں گے (البقرہ ۲:۱۵۶-۱۵۷)۔ واقعہ یہ کہ اللہ ربُّ العزت کی یہ بہت بڑی عنایت ہے کہ ہدایت یافتہ (یا ایمان وعملِ صالح والے) لوگ سکون واطمینان کے ساتھ رضائے الٰہی کا انعام لیے ہوئے دنیا سے رخصت ہوتے ہیں یا ہوں گے، جیسا کہ سورۃ الفجر کی یہ آیات شہادت دے رہی ہیں:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ۝۲۷ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۝۲۸ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ۝۲۹ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۝۳۰ (الفجر ۸۹:۲۷-۳۰) اے نفسِ مطمئنہ تو اپنے رب [کے جوارِ رحمت] کی طرف واپس لوٹ اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے، پس شامل ہوجا میرے [محبوب] بندوں میں اور داخل ہوجا میری [تیار کی ہوئی] جنت میں۔

رہا یہ معاملہ کہ نفسِ مطمئنہ کو یہ راحت بخش خطابِ الٰہی کس وقت ہوگا؟ اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے یہ واضح کیا ہے کہ قیامت میں حساب وکتاب کے بعد ہوگا، جب کہ بعض کی رائے میں یہ خطاب دنیا ہی میں موت کے وقت ہوتا ہے۔ بعض قدیم مفسرین کا خیال [جو زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے] یہ ہے کہ ارواحِ مومنین کو یہ خطاب دونوں وقت (موت کے وقت اور قیامت

میں بھی) ہوگا۔قدیم مفسرین میں ابن کثیر اسی رائے کے حامل ہیں (ابن کثیر،تفسیر القرآن العظیم، دارالاشاعت، دیوبند، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء ج ۴،ص ۴۵۸۔مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: معارف القرآن، ج ۸،ص ۷۴۴-۷۴۵)۔

اسی مسئلہ سے متعلق ایک حدیث کا حوالہ بھی برمحل معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ربُّ العزت جنتیوں سے فرمائے گا: اے اہلِ جنت! وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں، ہرطرح کی سعادت وخیر تیرے ہی ہاتھوں میں ہے۔اللہ پوچھے گا: کیا تم راضی ہو؟ وہ کہیں گے،اے ہمارے رب، ہم کیوں نہ راضی ہوں، تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو تو نے کسی مخلوق کو نہیں دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں تمھیں اس سے افضل چیز نہ عطا کروں؟ تو وہ پوچھیں گے ان [جنت کی نعمتوں] سے افضل کون سی چیز ہے؟ اللہ فرمائے گا: میں تمھیں اپنی رضامندی (رضوان) عنایت کرتا ہوں، اب میں اس کے بعد تم سے کبھی ناراض نہ ہوں گا (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں میں جو راہِ ہدایت پر چلنے والے (ایمان وعمل صالح والے) ہیں، انھیں جنت میں سب سے بڑی نعمت یہ نصیب ہوگی کہ وہ یہاں ہمیشہ ہمیش کے لیے 'رضائے الٰہی' سے سرفراز کیے جائیں گے۔

اللہ ربُّ العزت نے ایمان وعملِ صالح سے مزین ہوکر رضائے الٰہی سے شادکام ہونے والے اپنے محبوب بندوں کو کتنے عظیم الشان خطاب سے نوازا ہے، یہ جاننے کے لیے سورۃ البیّنۃ کی آیت ۷ پر نظر ڈالیں جس میں انھیں 'خیر البریۃ' کے لقب سے موسوم کیا گیا ہے۔اردو مترجمین قرآن نے ان الفاظ کا ترجمہ "بہترین خلائق،سب خَلق سے بہتر،ساری مخلوقات میں افضل واشرف" کیا ہے۔ واقعی یہ کتنا بڑا اعزاز ہے،جس سے ایمان اور عمل صالح کی پونجی والے (چاہے وہ دنیوی مال واسباب کے اعتبار سے مفلس و بے مایہ ہی کیوں نہ ہوں) مشرف کیے گئے ہیں۔کیا اس سے بڑا اور کوئی لقب ہے جس سے ارضی مخلوقات میں کسی کو نوازا گیا ہے۔اس کے برخلاف جو لوگ ہدایت الٰہی کی راہ سے منہ موڑ لیتے ہیں، کفر و نافرمانی کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور پوری زندگی اپنے آپ کو

خواہشاتِ نفسانی کا غلام بنائے رہتے ہیں انھیں اسی سورہ میں نہ صرف 'شرّ البرّیۃ' (بدترین خلائق) کہا گیا ہے، بلکہ اِس بدترین انجام سے بھی خبردار کیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم کی آگ میں جھلستے رہیں گے۔ ان سب کے علاوہ اُخروی زندگی میں اس دردناک عذاب سے دوچار ہونے کو انسان کے لیے 'خسران مبین' (بالکل کھلے ہوئے یا سب سے بڑے نقصان) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

قُلۡ اِنَّ الۡخٰسِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَاَهۡلِیۡهِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمۡ مِّنۡ فَوۡقِهِمۡ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنۡ تَحۡتِهِمۡ ظُلَلٌ ؕ (الزمر ۳۹:۱۵) کہہ دیجیے، اصل گھاٹے والے تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے قیامت کے دن اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو گھاٹے میں ڈال دیا۔ اچھی طرح سن لو! یہی کھلا ہوا نقصان ہے۔ ان پر آگ کی چھتریاں اوپر سے چھائی ہوں گی، اور نیچے سے بھی۔

مزید یہ کہ سورۃ البلد (آیت ۱۸) میں مومنین صالحین کو 'اصحٰب المیمنۃ' (خوش قسمت/نصیبے والے) اور سورۃ الواقعہ (آیت ۲۷) میں 'اصحٰب الیمین' (نیک بخت/معزز و مکرم) کے خطاب سے نوازا گیا ہے اور منکرین و مکذّبین 'اصحٰب المشئمۃ' (بدنصیب/ ذلت کے مارے) (البلد ۹۰:۱۹) اور 'اصحٰب الشمال' (نحوست، ناکامی و محرومی کے شکار) (الواقعہ ۵۶:۴۱) قرار دیے گئے ہیں۔ اللہ احکم الحاکمین اپنے بندوں کے بارے میں جو فیصلہ فرمائے اسے کون بدل سکتا ہے۔

ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ توحید، رسالت اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان میں سچے ہیں، آخرت (یعنی بعث بعد الموت، اللہ رب العزت کے حضور حاضری، دنیوی زندگی کے اعمال کے بارے میں باز پُرس، اعمال نامہ ملنے اور اسی کے مطابق جزا یا سزا کا نظام قائم ہونے اور جنت نصیب ہونے یا نارِ جہنم میں ڈالے جانے) پر یقین میں پختہ ہیں، افضل العبادۃ نماز کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں اور اللہ کے عطا کردہ مال سے کارِ خیر میں انفاق کے لیے سرگرم رہتے ہیں، اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق بجالانے میں سنجیدہ و مخلص ہیں وہی دراصل صراط مستقیم پر گامزن ہیں، وہی حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہونے والے ہیں اور انھی کی ابدی زندگی خوشگوار اور فرحت بخش ہوگی۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ ہدایتِ الٰہی کی پیروی کی تلقین و تاکید کے ساتھ قرآن میں بار بار انسان کو یہ نکتہ بھی گوش گزار کیا گیا ہے کہ جو کوئی ہدایت کا طلب گار ہوگا، اس راہ میں دوڑ بھاگ کرے گا اور اس کی توفیق طلب کرنے کے لیے اللہ سے رجوع کرے گا اور دعائیں مانگے گا اور راہِ ہدایت پر چلنا میسر آجانے پر اس پر چلتا رہے گا تو اپنے کو ہی فائدہ پہنچائے گا اور اپنا ہی بھلا کرے گا، اور جو کوئی گمراہی کو پسند کرے گا، راہِ حق سے منہ موڑے گا اور انکار و ہٹ دھرمی کا رویہ اپنائے گا تو اپنے ہی کو نقصان پہنچائے گا، اپنی تباہی مول لے گا اور ناکامی و نامرادی کو گلے لگائے گا۔ ارشادِ ربّانی ہے:

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ (بنی اسرائیل ۱۷:۱۵) جو کوئی بھی راہِ ہدایت اختیار کرے گا وہ اپنی ہی بھلائی کے لیے کرے گا اور جو کوئی گمراہ ہوجائے اس کا وبال اس پر آکر رہے گا۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۱۰۸ۭ (یونس ۱۰:۱۰۸) اے رسولؐ! بتا دیجیے اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے حق آچکا ہے، پس جو کوئی سیدھی راہ اختیار کرے گا تو وہ اپنے ہی فائدے کے لیے کرے گا اور جو کوئی اس راہ سے بھٹک جائے گا تو اس کا وبال اپنے اوپر لائے گا اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا ہوں [کہ تمھیں ہدایت یافتہ بنا کر رہوں]۔

مزید برآں قرآن کریم سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کتابِ ہدایت کی روشنی میں راست روی اختیار کرنے، اس پر قائم رہنے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی ایک بہت بڑی برکت یہ نصیب ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت ان اوصاف کے حاملین کے لیے ہدایت اختیار کرنے کی منازل میں ترقی عطا فرماتا ہے یا ان کے لیے ہدایت پر چلنے کی راہیں مزید ہموار کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ۷۶ (مریم ۱۹:۷۶) اور راہِ ہدایت پر چلنے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت میں بڑھاتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی تیرے ربّ کے نزدیک اجر اور انجام کے

اعتبار سے بہتر ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ (محمد ۴۷:۱۷) وہ لوگ جنھوں نے ہدایت پائی اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انھیں ان کا تقویٰ عطا فرماتا ہے۔

اس میں شبہہ نہیں کہ ہدایت یافتہ لوگوں سے بھی گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے، بشری تقاضے سے ان سے غلطیاں سرزد ہوتی ہیں، بھول چوک بھی ہوتی رہتی ہے، لیکن انھیں جب اپنی غلطیوں پر تنبہ ہوتا ہے، خطا کے ارتکاب کا احساس جاگ اٹھتا ہے تو ایمان کی تازگی وعمل کی پاکیزگی کے لیے اللہ سے رجوع کرتے ہیں، اپنے اصلاح یا راہِ ہدایت پر جمے رہنے کا پختہ عزم کرتے ہیں اور ربِّ کریم سے مغفرت کے طلب گار ہوتے ہیں اور استقامت کی توفیق کے لیے دعائیں مانگتے ہیں، تو اللہ رحمٰن ورحیم انھیں اپنی مغفرت سے نوازتا ہے۔ یہ آیت ایسے خطا کاروں کو یہ مژدہ سنا رہی ہے: وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ (طٰہٰ ۲۰:۸۲) ''اور میں بے شک خوب مغفرت سے نوازنے والا ہوں ان لوگوں کو جو [خطا سرزد ہوجانے پر] توبہ کرلیں اور [صحیح معنوں میں] ایمان لائیں، نیک عمل کرتے رہیں اور راہِ ہدایت پر چلیں''۔

**راہِ حق پر استقامت**

ان سب باتوں کے ساتھ یہ نکتہ بھی ذہن میں رہے کہ کتابِ ہدایت ہی ہمیں بتاتی ہے کہ راہِ حق اور اس پر استقامت کی نعمتیں اللہ ہی کی توفیق سے نصیب ہوتی ہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے: وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾ (الحج ۲۲:۱۶) ''اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو واضح آیتوں کے ساتھ نازل کیا ہے اور بے شک اللہ جسے چاہتا ہے اپنی ہدایت سے نوازتا ہے''۔ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ (الزمر ۳۹:۲۳) ''یہی اللہ کی ہدایت ہے جسے چاہتا ہے اسے نصیب کرتا ہے''۔ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿۴﴾ (الاحزاب ۳۳:۴) ''اللہ حق بات ہی کہتا ہے اور وہی راہِ حق دکھاتا ہے''۔ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾ (البقرہ ۲:۲۱۳) ''اور اللہ جسے چاہتا ہے راہِ مستقیم دکھا دیتا ہے''۔ اللہ تعالیٰ یہ نعمت کسے عنایت کرتا ہے؟، اسے بھی ربِّ کریم نے اپنی کتاب میں واضح فرما دیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ ﴿۱۳﴾ (الشوریٰ ۴۲:۱۳) اللہ جسے چاہتا ہے اپنے لیے منتخب کرلیتا ہے اور ہدایت اسی کو نصیب کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور جھکتا ہے۔

یہی حقیقت سورۃ الرعد کی آیت ۲۷ میں بیان ہوئی ہے: وَ یَہۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ اَنَابَ ﴿۲۷﴾ ''وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور جھکتا ہے''۔

اوپر یہ واضح کیا گیا کہ اللہ جس کو چاہتا ہے، ہدایت سے نوازتا ہے، اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت ہی جانتا ہے کہ صحیح معنوں میں کون ہدایت یافتہ ہے اور کون راہِ ہدایت پر چل رہا ہے۔ واقعہ یہ کہ راہِ ہدایت پر چلتے ہوئے، اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتے ہوئے بہت زیادہ خوش گمانی یا ضرورت سے زیادہ اعتماد کی کیفیت میں نہیں مبتلا ہونا چاہیے، بس اس راہ میں کوشش اور اس میں کامیابی کے لیے دعا کرتے رہنا چاہیے۔ قرآن کی متعدد آیات میں اس نکتہ کی جانب انسان کو متوجہ کیا گیا ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۷ ملاحظہ ہو:

اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ مَنۡ یَّضِلُّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۚ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿۱۱۷﴾ (الانعام ۶:۱۱۷) بے شک تیرا رب زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور کون راہِ ہدایت پر چل رہا ہے۔

تقریباً یہی حقیقت چھ دیگر آیات میں بھی واضح کی گئی ہے (النحل: ۱۶/۱۲۵، بنی اسرائیل ۱۷: ۸۴، القصص ۲۸: ۵۶-۸۵، النجم ۵۳: ۳۰، القلم ۶۸: ۷)۔

واقعہ یہ کہ تزکیۂ نفس و تطہیر قلب (دل کی پاکی و صفائی)، تقویٰ و پرہیزگاری (اللہ ربّ العزت کی عظمت کا احساس اور اس کی گرفت کا خوف جو انسان کو گناہوں سے بچاتا ہے)، اہتداء (ہدایت یافتہ ہونا یا صحیح معنوں میں راہِ ہدایت پر چلنا)، اخلاصِ نیت (اللہ کی خوش نودی کے لیے نیک عمل کرنا)، ان سب کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور دل کا حال، اس کی کیفیت اور اس کے تحت صادر ہونے والے اعمال کی نوعیت اور ان کی قبولیت کے مقام و مرتبہ کے بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے، جیسا کہ ان آیات سے واضح ہوتا ہے:

فَلَا تُزَکُّوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی ﴿۳۲﴾ (النجم ۵۳: ۳۲) پس اپنے آپ کو

بہت پاک نہ سمجھو، وہی [اللہ ہی] بہتر جانتا ہے کہ واقعی کون متقی ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُزَکُّوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ ؕ بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ (النساء ۴:۴۹) کیا تم نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جو اپنی پاکیزگی بیان کرتے ہیں، حالاں کہ اللہ جس کو چاہتا ہے پاکیزگی عطا فرماتا ہے۔

رَبُّکُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا فِیۡ نُفُوۡسِکُمۡ ؕ (بنی اسرائیل ۱۷:۲۵) تمھارا رب سب سے زیادہ جاننے والا ہے اس بات کو جو تمھارے دلوں میں ہے۔

اَوَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَعۡلَمَ بِمَا فِیۡ صُدُوۡرِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰﴾ (العنکبوت ۲۹:۱۰) کیا اللہ کو دنیا کے لوگوں کے دلوں کا حال بخوبی معلوم نہیں؟

ان سب کے ساتھ یہ بھی ہمارے پیشِ نظر رہے کہ انسانی دلوں کا اُلٹ پھیر (تصریفِ قلوب) کا اختیار اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ان کی کیفیت میں جو کچھ تبدیلی ہوتی ہے، اسی کی مشیت سے ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے (صحیح مسلم، کتاب القدر، باب تصریف اللّٰہ تعالٰی القلوب کیف یشاء)۔

### استقامت کے لیے دُعا

ان حقائق کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کو اپنے ہدایت یافتہ ہونے یا صحیح معنوں میں راہِ ہدایت اختیار کرنے کے بارے میں بہت لمبے لمبے دعوے نہیں کرنے چاہییں اور نہ اپنے کو بہت زیادہ پاکیزہ، بہت بڑا متقی سمجھنا چاہیے، بس اس راہ میں کوشش جاری رکھتے ہوئے اللہ سے رجوع کرنا چاہیے اور دل کی پاکیزگی، نیت کے اخلاص اور ارادہ کی پاکی کے لیے مستقل دعا مانگتے رہنا چاہیے۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ راہِ ہدایت طلب کرنا ہو، اسے اختیار کرنا ہو، اس پر مستقل چلتے رہنا ہو، یعنی راہِ ہدایت پر استقامت یا اس کی ترقی کی منازل طے کرنے کا معاملہ ہو، خطائیں سرزد ہونے پر مغفرتِ الٰہی کے لیے التجا کرنی ہو، ان سب نعمتوں کے نصیب ہونے کے لیے رجوع الی اللہ اور ربِّ کریم سے دعا مانگنا نہ صرف مطلوب، بلکہ بہت ضروری ہے۔ اس ضمن میں اہم بات یہ کہ خود اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے لیے دعائیں بھی تلقین کی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے ہمیں اسی کی تعلیم دی ہے۔ سورۃ الفاتحہ، جیسا کہ

بخوبی معروف ہے، پوری کی پوری دعا سے تعبیر کی جاتی ہے اور اس میں خاص دعا اللہ سے ہدایت طلبی (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ) ہے۔ راہِ حق پر استقامت کی قرآنی دعاؤں میں ایک بہت ہی معروف ومقبول دعا یہ بھی ہے: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ (اٰل عمرٰن ۳:۸) ''اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں کجی نہ آنے دے اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت کی توفیق بخش دی اور ہمیں اپنی جانب سے رحمت عطا فرما، بے شک تو خوب عطا فرمانے والا ہے''۔

اسی طرح ہدایت پر جمے رہنے کے لیے یہ مسنون دعاؤں میں ایک بہت مشہور دعا ہے: يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ (جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب دعا) ''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر جما دے''۔ ان سب کے ساتھ اس دعا کا اہتمام بھی ضروری ہے: اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ (ابن کثیر، تفسیر القرآن الکریم، محولہ بالا، ۲/ ۳۲۸ (تفسیر سورۃ البقرۃ، آیت ۲۱۳) [اے اللہ ہمیں حق کو حق کی حیثیت سے دکھا اور اس کی پیروی کی توفیق عنایت فرما، اور باطل کو باطل کی حیثیت سے دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما]۔ اس لیے مومن کو ہر حال میں ان دعاؤں کو مستقل مشغلہ یا شیوہ بنا لینا چاہیے۔ اللہ کرے ہمیں اس کی توفیق نصیب ہو، آمین!

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب کی متعدد آیات میں ہدایتِ الٰہی، اس پر استقامت اور اس کے فیوض و برکات اور خوش گوار نتائج سے متعلق حقائق بار بار واضح کیے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے، بس خلاصہ کے طور پر یہ عرض کرنا ہے کہ متعلقہ آیاتِ کریمہ پر تدبر و تفکر سے انسان کے نام اولین پیغامِ الٰہی سے یہ قیمتی نکات سامنے آتے ہیں:

- دنیا کی زندگی اور یہاں کا ساز و سامان عارضی و فانی ہے، ان سے تعلق وانتفاع بس ضرورت کی حد تک ہی مفید رہے گا۔
- دنیا میں گزر بسر کے لیے جو کچھ ملا ہوا ہے وہ سب اللہ رب العزت کا عطیہ اور اس کی امانت ہے، انھیں استعمال کرتے ہوئے منعمِ حقیقی کو یاد کرنا اور اس کی مرضیات کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

- زندگی کے ہر معاملے میں ہدایتِ الٰہی کی پیروی دنیا کے عارضی قیام میں سکونِ قلب و اطمینان نصیب کرے گی اور آخرت میں ہمیشہ ہمیش کے لیے رضائے الٰہی اور جنت کی لازوال نعمتوں سے شاد کام کرے گی اور مستقل مستقر [جنت] کو ایسا فرحت بخش اور خوشگوار بنائے گی کہ وہاں نہ کسی چیز کا خوف لاحق ہوگا اور نہ کوئی غم ہی ہوگا۔
- ہر حال میں مومن سے ذکرِ الٰہی، شکرِ الٰہی، رجوع الی اللہ اور توبہ و استغفار مطلوب ہے۔

اللہ رب العزت ہم سب کو ہر شعبۂ حیات میں ہدایاتِ ربّانی پر عمل کی توفیق عنایت فرمائے، اپنی رضا سے ہمیں نوازے اور عارضی و دائمی دونوں ٹھکانوں [دنیا و آخرت] میں سکون و اطمینان نصیب فرمائے: وَ مَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۔ آمین ثمّ آمین!